کرکٹ کی سیاست اور سیاست کی کرکٹ

تحریر: سہیل احمد لون

سیاست اور کرکٹ عوام میں اتنے مقبول ہیں کہ کسی بھی شخص کو موقع دیا جائے تو وہ کرکٹ کھیلنے میں جتنا بھی اناڑی ہو مگر کرکٹ پر تبصرہ کرنے اور ماہرانہ رائے دینے میں کسی بھی پیشہ ور کھلاڑی سے مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہوگا۔ اسی طرح ایک چھابڑی والے سے لیکر کسی بڑے تاجر تک، کلرک سے ڈائیریکٹر ، استاد سے چانسلر، مزدور سے صنعت کار، ہاری سے وڈیرے اور ایک فوجی سے لیکر جنرل تک سب کی سیاسی رگ بہت کام کرتی ہے۔ کرکٹ میں کبھی آف سیزن ہوتا ہے مگر سیاست سدا بہار شے ہے۔ کرکٹ اور سیاست کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ اب ہمارے سیاست دان سیاست کو کرکٹ اور کرکٹ کے کھلاڑی کھیل میں سیاست کرنا شروع ہو گئے ہیں گو کہ یہ دونوں کام پہلے ڈرائنگ روم میں ہی ہوتے تھے اب کھلے عام ہو رہے ہیں۔ دونوں میں ایک چیز مشترک ہے کہ کھلاڑی اور سیاست دان ملکی و قومی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ کرکٹ اور سیاست دونوں میں عوام کا پیسہ ''انے واہ'' خرچ کیا جاتا ہے۔ سیاست میں اگر کوئی ''عوامی ووٹ'' کے ٹوپی ڈرامے سے منتخب ہو کر اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہونے میں ناکام ہو جائے تو ایسے میں ''عوامی خدمت'' کرنے کے لیے وہ کسی نہ کسی چور راستے سے سینیٹ کے ممبر یا مشیر بن سیاست کا کھیل کھیلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کرکٹ میں عوام کے ووٹ کی پرچی تو استعمال نہیں ہوتی مگر قومی ٹیم میں آنے کے لیے کسی نہ کسی پرچی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ٹیم میں کارکردگی سے زیادہ کسی خادم اعلی کے خاص خادم کی جی حضوری بنیادی شرط ہے، اگر کسی کے پاس اچھی تکنیک، فٹنس، فارم کے ساتھ ساتھ ایمانداری کا لائسنس بھی ہے تو اس کے لیے ٹیم میں مستقل جگہ برقرار رکھنے کے لیے گاندھی کا بندر بننا شرط ہوتی ہے یعنی برائی یا کرپشن دیکھو تو آنکھیں بند کر لو، برائی کی بات سنو تو کان لپیٹ کر پتلی گلی سے نکل جاؤ، برائی کا ذکر کسی سے نہ کرو اور منہ پر بے بسی کا تالہ لگا کر رکھو۔ پرچی مار کہ یا کرپشن مافیہ کے کھلاڑی اگر ٹیم کا حصہ نہ بن سکیں یا بوڑھے ہو جائیں تو وہ ایسے گھوڑے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بوڑھا تصور نہیں کرتے۔ اگر کوئی آن دی فیلڈ کچھ نہ کر سکے تو وہ چور راستے سے پی سی بی میں اعلی عہدہ لے کر مزے کرتے ہیں۔ عوام کے پیسے پر پلنے والے یہ بوڑھے گھوڑے سحری کے وقت کا سینو میں کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی شکایت کر دے تو ایسے سرکش گھوڑوں کو لگام ڈالنے یا اس کی سرزنش کرنے کی بجائے ان کی طرف داری کی جاتی ہے۔ جیسے سیاستدانوں پر کرپشن کے الزامات بھی ہیں اور عدالتوں میں ان کے خلاف کیسز بھی چل رہے ہیں مگر پھر بھی وہ اقتدار کے ایوانوں میں بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنا اثر و رسوخ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح کرکٹ میں بھی وہ کھلاڑی جو میچ فکسنگ، سپاٹ فکسنگ اور دیگر غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے آج پی سی بی میں کلیدی عہدوں پر فائز ہیں۔ ہماری عوام جذباتی ہے اور جذبات میں انسان دل سے فیصلہ کرتا ہے، دماغ سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرپشن میں مہارت رکھنے والے ان کو آسانی سے بار بار بے وقوف بنا لیتے ہیں۔

عالمی کرکٹ کی تاریخ کا طویل ترین ٹورنامنٹ فروری کے وسط سے شروع ہوا ہے اور تین ہفتے گزرنے کے بعد بھی ناک آؤٹ راؤنڈز شروع نہیں ہوے۔ ہماری عوام کرکٹ کے بخار میں مبتلا ہے ان دنوں وطن عزیز کا سب سے گرم موضوع گفتگو ہی کرکٹ ہے۔ گورے کرکٹ کے موجد ہیں اور کئی دہائیوں تک کرکٹ کا ہیڈ کوارٹر بھی انگلینڈ میں رہا ہے ان پر بگ بی کا لیبل بھی لگا ہے، برطانیہ میں نہ ہی گراؤنڈز کی کمی ہے اور نہ ہی وسائل کی، نہ معاشی مسئلہ ہے نہ کوئی سیکورٹی کا کوئی ایشو، اس کے باوجود انگلینڈ کے اب تک ورلڈ کپ میں کارکردگی نہایت ناقص رہی ہے مگر یہاں پر نہ عوام نے سڑکوں پر آ کر کھلاڑیوں کے پتلے جلا کر اپنا منہ کالا کیا اور نہ ہی میچ ہارنے کے بعد ٹی وی سیٹ توڑے۔ پاکستانی عوام جتنا جوش میچ ہارنے یا جیتنے کے بعد دکھاتی ہے اگر ایسا جوش اپنا حق لینے اور اپنے ساتھ ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے میں صرف کرے تو شاید ہمیں ان کرپٹ نظام سے نجات مل جائے۔ عمران خان نے اپنی کپتانی میں تینوں بار سیمی فائنل کے لیے کوالیفائی کیا اور ایک مرتبہ فائنل جیتنے کا بھی اعزاز حاصل کیا ۔ ویسٹ انڈیز کے سابق کپتان کلائیو لائیڈ نے تینوں بار ٹیم کو فائنل تک پہنچایا جس میں دو مرتبہ وہ ٹائٹل جیتنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ عمران خان اور کلائیو لائیڈ میں ایک چیز مشترک تھی انہوں نے ٹیم سلیکشن اور کوچنگ پر کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیا۔ آج ٹیم کے ساتھ درجن کوچ ہیں جو غریب عوام کے پیسے کو برباد کر رہے ہیں۔ ملک میں کرکٹ کے ٹیلنٹ کی کوئی کمی نہیں مگر کرپٹ نظام مستحق کھلاڑی کو آگے آنے نہیں دیتا۔ اگر کوئی معجزانہ طور پر ٹیم تک رسائی حاصل کر لے تو کرپٹ نظام اور سیاست کی نظر ہو جاتا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے اکمل برادرز ٹیم کا حصہ ہیں جن کو ایک مافیہ کی سرپرستی حاصل ہے تاریخ کی بدترین وکٹ کیپنگ کرنے کے باوجود بھی وہ ٹیم کا حصہ رہتے ہیں۔ شعیب ملک بھی اسی مافیہ کا ایک مہرا ہے جسے پھر سے ٹیم میں لانے کی لابنگ ہو رہی ہے۔ 2006ء میں سرفراز احمد کی کپتانی میں U19 ورلڈ کپ بھارت کو فائنل میں ہرا کر جیتا، فائنل کا ہیرو انور علی خان آج تک چار میچ لگاتار قومی ٹیم کے ساتھ نہیں کھیل سکا، 2004ء کے انڈر 19 کا فاتح بھی پاکستان تھا۔ 2010ء اور 2014ء میں بھی U19 کے ورلڈ کپ کے فائنل تک پاکستان نے رسائی حاصل کی مگر قومی ٹیم تک رسائی کے لیے ان کو 30 برس کی عمر تک انتظار کروایا جا رہا ہے۔ ذوالقرنین حیدر اور سرفراز احمد کے ہوتے ہوئے اکمل برادرز سے وکٹ کیپنگ کروانا کرپشن اور سیاست کا ایک حصہ ہے۔ مصباح اور شاہد آفریدی کے ریٹائر ہونے کے بعد سرفراز احمد اپنی جارحانہ سٹائل اور ماضی میں ٹیم کو U19 کا ٹائٹل دلوانے کے انعام میں کپتانی یا نائب کپتان بنانا چاہیے۔ U19 کے ورلڈ کپ میں پاکستان کے ہاتھوں ہارنے والی بھارتی ٹیم میں آج 5 کھلاڑی قومی ٹیم کا اہم رکن ہیں ۔ ویرات کوہلی نے بھارتی U19 ٹیم کو اپنی کپتانی میں ورلڈ کپ جتوایا آج وہ بھارتی ٹیم کا نہ صرف حصہ ہے بلکہ ٹنڈلکر کا ریکارڈ توڑتا دکھائی دیتا ہے وجہ یہ ہے کہ اسی ٹیم میں بڈھا کر کے نہیں لایا گیا۔ جسٹس قیوم کی رپوٹ میں جن کھلاڑیوں پر کرپشن کے داغ دھبے تھے وہ سیاست کی مشین میں دھل کر پاک ہو چکے ہیں اور آج پی سی بی میں موجیں کر رہے ہیں۔ ہماری اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس وقت ورلڈ کپ میں سب سے زیادہ پاکستانی کھلاڑی کھیل رہے ہیں' کیا دنیا کی کسی اور ریاست کے پاس اتنا ٹیلنٹ ہے کہ وہ ہر ورلڈ کپ میں اپنی ٹیم بنانے کے بعد بھی دوسرے ممالک کو ورلڈ کپ کیلئے سپلائی دے سکے؟ لیکن شاید بااختیار افراد کی ''سپلائی'' کی عادت نے منی کے ساتھ ساتھ ٹیلنٹ بھی سپلائی کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے ورنہ جو پاکستانی آسٹریلیا' افریقا' انگلینڈ' ساوتھ افریقا اور یو۔اے۔ای کو قابلِ

قبول ہو سکتے ہیں وہ اپنے ملک میں قابلِ قبول کیوں نہیں؟ ۔سیاست کی عینک لگا کر ٹیلنٹ دیکھنے والوں کو طویل قامت عرفان بھی تیس برس کی عمر کے بعد نظر آیا۔سعید اجمل کو بھی اس وقت چانس ملا جب شعیب ملک سے نجات ملی۔ جب تک سیاست کو کرکٹ اور کرکٹ کو سیاست سمجھ کر کھیلا جائے گا تو پھر دونوں کا بھگوان ہی حافظ ہے کہ جن کا اللہ حافظ ہو وہ ہرگز ایسے نہیں ہوتے اور پاکستان کا تو بھگوان بھی دنیا سے چلا گیا' کیا خوب انسان تھا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

08-03-2015.